مکان کے لئے سودی قرض کا حصول

خالد سیف اللہ رحمانی

قرآن وحدیث میں جن گناہوں کی سخت مذمت کی گئی ہے، غالباً کفر کے بعد سود، ان میں سرفہرست ہے، سود کے باب میں نہ صرف سود لینے کو منع کیا گیا؛ بلکہ سود دینے والے، سودی کاروبار کو لکھنے والے اور سودی معاملہ پر گواہ بننے والے پر بھی لعنت کی گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں :

عن جابرؓ : لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوٰ وموكله وكاتبه وشاهديه ، وقال : هم سواء . (۱)

اسی لئے فقہاء نے قاعدہ مقرر کیا ہے :

ما حرم أخذه ، حرم إعطاءه . (۲)

جس چیز کا لینا حرام ہے، اس کا دینا بھی حرام ہے۔

اس لئے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس طرح سود کا لینا حرام ہے، اسی طرح اُصولی طور پر اس کا دینا بھی حرام ہے؛ لیکن ایک قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ سود کا لینا حرام لعینہٖ ہے اور سود کا دینا حرام لغیرہٖ، اگر کوئی شخص قرض لے اور قرض لیتے وقت قرض دہندہ کی طرف سے زیادہ پیسے ادا کرنے کی شرط نہ ہو؛ لیکن قرض لینے والا اپنے طور پر زیادہ رقم ادا کردے تو اس کی ممانعت نہیں ہے؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ادائیگی کا بہتر طریقہ قرار دیا ہے :

إن خياركم أحسنكم قضاءاً . (۳)

لیکن چوں کہ سود دینے سے بھی سود لینے والے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے؛ کیوں کہ اگر سود دینے والے موجود نہ ہوں، تو کوئی شخص سود دے نہیں سکتا؛ اسی لئے سود دینے کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، فقہاء کے نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام لعینہٖ اور حرام لغیرہٖ کے احکام میں کسی قدر فرق ہے، حرام لعینہٖ کی تو اصطلاحی ''ضرورت'' (انتہائی درجہ مجبوری)

(۱) مسلم، حدیث نمبر:۴۰۹۳، کتاب المساقاة ، باب لعن آكل الربا وموكله ، أبوداود ، حدیث نمبر:۳۳۳۳، کتاب البيوع ، باب فی اكل الربا وموكله۔ (۲) الاشباه والنظائر:۴۴۹/۱، قاعدہ:۱۴۔

(۳) بخاری عن أبي هريرةؓ ، حدیث نمبر:۲۳۹۳، باب حسن القضاء۔

کی بنیاد پر ہی گنجائش ہوتی ہے، جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے :

الضرورات تبيح المحظورات .

ضرورتیں ناجائز کو مباح کر دیتی ہیں۔

اور ضرورت سے مراد وہ اشیاء ہیں کہ جن پر شریعت کے مقاصد خمسہ ـــ حفظ دین، حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ مال اور حفظ عقل ـــ کا حاصل ہونا موقوف ہو :

أما الضرورية فمعناها أنها لا بد منها فی قيام مصالح الدين والدنيا بحيث إذا فقدت لم تجر مصالح الدنيا على إستقامة ، بل على فساد وتهارج وفوت حياة . (۱)

ضرورت سے مراد وہ چیزیں ہیں، جو دین و دنیا کے مصالح کو قائم رکھنے میں ناگزیر ہوں کہ اگر وہ مہیا نہ ہوں، تو دنیا کی مصلحتیں پوری نہ ہوسکیں ؛ بلکہ فساد و دشواری اور وسائل زندگی سے محرومی ہو جائے۔

لیکن جو چیزیں حرام لغیرہ ہیں، اصطلاحی ''حاجت'' کے تحت بھی ان کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے، اور حاجت سے مراد وہ چیزیں ہیں، جو شریعت کے مقاصد خمسہ کو حاصل کرنے میں شدید مشقت سے بچاتی ہوں :

واما الحاجيات ، فمعناها : أنها مفتقر إليها من حيث التوسعة ورفع الضيق المؤدي في الغالب إلى الحرج والمشقة اللاحقه بفوت المطلوب . (۲)

حاجیات سے مراد وہ چیزیں ہیں، جس کی فراخی کے لئے اور ایسی تنگی کو دور کرنے کے لئے ضرورت ہو، جو اکثر حرج کا باعث بن جاتی ہیں اور ایسی مشقت سے بچانا ہو، جو اصل مقصد کے فوت ہو جانے کا باعث بنتی ہوں۔

اس کی نظیر کتبِ فقہ میں رشوت کا مسئلہ ہے، جیسے سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے، اسی طرح رشوت کا لینا اور دینا بھی حرام ہے، جیسے آپ نے سود کے لینے دینے اور اس میں تعاون کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے، اسی طرح رشوت لینے، دینے اور اس میں واسطہ بننے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

لعن الله الراشي والمرتشي والرائش . (۳)

---

(۱) الموافقات للشاطبی :۳۲۴/۲۔

(۲) الموافقات للشاطبی :۳۲۶/۲۔

(۳) مجمع الزوائد :۳۵۸/۴، حدیث نمبر :۷۰۲۴، كتاب الأحكام ، باب فی الرشاء ، بحواله : مسند أحمد ، طبرانی ۔

رشوت لینے والے، دینے والے اور اس میں واسطہ بننے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔

اسی لئے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ جیسے رشوت کا لینا حرام ہے، اسی طرح اس کا دینا بھی حرام ہے؛ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء نے رشوت لینے اور دینے میں فرق کیا ہے اور بعض خصوصی حالات میں رشوت دینے کی اجازت دی ہے؛ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی حنفی ''فتح القدیر'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

ثم الرشوة أربعة أقسام منها : ما هو حرام على الآخذ والمعطي ، وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة ، الثانى : ارتشاء القاضى ليحكم وهو كذلك ولو القضاء بحق ؛ لأنه واجب عليه ، الثالث : أخذ المال ليسوّي أمره عنده السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على الآخذ فقط ..... الرابع : ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله ، حلال للدافع حرام على الآخذ . (۱)

رشوت کی چار قسمیں ہیں: ایک وہ جو لینے والے اور دینے والے دونوں کے حق میں حرام ہے، جیسے عہدۂ قضا اور عہدۂ امارت کے لئے رشوت، دوسرے: قاضی کا فیصلہ کے لئے رشوت لینا، اس کا بھی لینا دینا حرام ہے، اگر چہ حق کے مطابق فیصلہ کرے؛ کیوں کہ یہ تو اس پر واجب ہے ہی، تیسرے: اس غرض سے مال کا لین دین کہ سلطان کے پاس اس کے ساتھ برابر کا سلوک کیا جائے، خواہ اس کا مقصد ضرر کو دور کرنا ہو یا نفع کو حاصل کرنا، یہ صرف لینے والے پر حرام ہے..... چوتھے: جان و مال پر خوف کھاتے ہوئے اور اس کی حفاظت کے لئے رشوت، یہ دینے والے کے لئے حلال ہے، لینے والے کے لئے حرام۔

علامہ ابوعبداللہ حطاب مالکی فرماتے ہیں :

قال ابن فرحون : أجاز بعضهم إعطاء الرشوة إذا خاف الظلم على نفسه وكان الظلم محققاً ، قال ابن عرفه إثر نقله كلام بعضهم : ويقوم هذا من قولها ، وإن طلب السلابة طعاماً أو ثوبا أو شيئا خفيفا ، رأيت أن يعطوه ، وقال البرزلى قبل مسائل الطهارة بنحو صفحة : وفى الطرر قال ابن عيشون : أجاز بعضهم إعطاء الرشوة إذا خاف الظلم على نفسه وكان محقا . (۲)

(۱) ردالمحتار: ۳۴/۸-۳۵، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ۔ (۲) مواهب الجليل: ۱۱۵/۸، باب الاقضیۃ۔

علامہ ابن فرحون کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے رشوت لینے کی اجازت دی ہے، اگر اپنی جان پر ظلم کا اندیشہ ہو اور ظلم فی الواقع کیا جا سکتا ہو، ابن عرفہ اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ بات اس سے مستنبط ہوتی ہے کہ اگر لٹیرے کھانا یا کپڑا یا کوئی معمولی چیز طلب کریں، تو میری رائے ہے کہ انھیں دے دیا جائے، نیز علامہ برزلی نے مسائل طہارت سے ایک صفحہ پہلے طرر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن عیشون نے کہا کہ بعض فقہاء نے رشوت دینے کی اجازت دی ہے اگر اس کی جان پر ظلم کا اندیشہ ہو اور وہ حق پر ہو۔

فقہاء شوافع میں علامہ عمرانی لکھتے ہیں :

واما الراشی : فان کان الراشی یطلب بما یدفعه ان یحکم له لغیر الحق او علی إیقاف الحکم ، حرم علیه ذلک وعلیه تحمل لعنة النبی صلی الله علیه وسلم للراشی ، وان کان یطلب بما یدفعه وصوله إلی حقه لم یحرم علیه ذلک وإن کان ذلک حراما علی اٰخذه . (۱)

بہر حال رشوت دینے والا، تو اگر رشوت دینے والا چاہتا ہو کہ رشوت دے کر اپنے لئے ناحق فیصلہ کرالے، یا حق فیصلہ کو روک دے، تو یہ اس پر حرام ہے، اور رشوت دینے والے کے لئے حضور ﷺ کی لعنت اسی صورت پر محمول ہے اور اگر رشوت دے کر وہ اپنا جائز حق وصول کرنا چاہتا ہے، تو یہ اس پر حرام نہیں ؛ اگر چہ لینے والے پر حرام ہے۔

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی رقم طراز ہیں :

یجوز له ان یرشو العامل ویهدی له لیدفع عنه الظلم فی خراجه ، ولا یجوز ذلک لیدع له منا شیئا . (۲)

عامل کو رشوت اور ہدیہ دینا تا کہ خراج کے سلسلہ میں اپنے کو ظلم سے بچا سکے جائز ہے اور اس لئے کہ وہ اس پر واجب ہونے والے خراج میں سے کچھ حصہ چھوڑ دے، جائز نہیں۔

---

(۱) البیان:۳۱/۱۳۔ (۲) المقنع مع الشرح الکبیر والانصاف:۳۲۲/۱۰، نیز دیکھئے:الشرح الکبیر مع المقنع والانصاف ، حوالۂ سابق، نیز دیکھئے:الانصاف مع المقنع والشرح الکبیر ، حوالۂ سابق ۔

اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ربا کے باب میں بھی یوں تو لینا اور دینا دونوں ہی حرام ہے؛ لیکن دونوں کی نوعیت میں کسی قدر فرق ہے، گو اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں صراحتاً اس کا ذکر کم ملتا ہے؛ لیکن فقہاء احناف نے ''قنیہ'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے :

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح .

اور حاجت مند شخص کے لئے نفع دے کر قرض حاصل کرنا جائز ہے۔

اور علامہ ابن نجیم مصری نے اس کو'' حاجت کے ضرورت کے قائم مقام ہونے'' سے متعلق قاعدہ کے تحت ذکر کیا ہے اور ان کے سیاق وسباق سے مراد ہے کہ یہاں ''محتاج'' سے حاجت اصطلاحی مراد ہے، حاجت بمعنی ضرورت نہیں، (۱) خود بعض فقہاء نے بیع بالوفاء اور اس طرح کے جو بعض معاملات کو جائز قرار دیا ہے، اس سے بھی اس کو تقویت پہنچتی ہے کہ جب حیلہ کے ذریعہ تعامل کی بنا پر قرض پر زائد رقم لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے، تو مشقت کے مواقع میں قرض سے زائد رقم ادا کرنے کی اجازت بدرجۂ اولیٰ ہوگی —— البتہ اس بات کی وضاحت مناسب ہوگی کہ راقم الحروف کے نزدیک قرض پر نفع حاصل کرنے کے لئے کسی بھی قسم کا حیلہ اختیار کرنا جائز نہیں، یہ حرام سے بچنے کا راستہ اختیار کرنا نہیں؛ بلکہ —نعوذ باللہ— حرام کو حلال کرنے کی کوشش ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد ''**دعوا الربا والریبه**'' کے تحت اس سے بچنا بھی ضروری ہے۔

موجودہ دور میں عالم اسلام کے فقہاء اور ارباب افتاء نے عام طور پر اس مسئلہ سے تعرض نہیں کیا ہے اور اس سلسلے میں کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے؛ لیکن غیر مسلم ممالک خاص کر ہندوستان کے علماء نے بعض مواقع پر سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے، مسلم اکثریت ممالک میں اسلامی مالیاتی اداروں کے قیام کے بھرپور مواقع ہیں، حکومت کی قرض اسکیموں سے استفادہ بھی آسان ہے اور قانون کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے؛ اس لئے ایسے قانون بنائے جاسکتے ہیں، جو شریعت اسلامی سے متصادم نہ ہوں، غیر مسلم اکثریت ممالک کی صورتِ حال اس سے مختلف ہے، بہت سے ملکوں میں اب تک اسلامی اُصولوں کے مطابق بینک اور انشورنس نظام کی اجازت نہیں دی گئی ہے، مسلمان اس موقف میں نہیں ہیں کہ وہ اپنے حسب منشا قانون بنواسکیں، بعض اوقات مسلمانوں کے ساتھ اقتصادی ترقی کی سہولتوں میں تعصب بھی برتا جاتا ہے، مسلمانوں کو بہت سی دفعہ ایسے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا پڑتا ہے، جو غیر مسلم ہیں اور جو ربا کی حرمت کو تسلیم ہی نہیں کرتے، تعلیم اور ملازمت کے مواقع میں بھی ان کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے، یہ وہ صورتِ حال ہے، جس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جیسے اختلافِ زمان کی وجہ سے احکام بدلتے ہیں، اختلافِ مکان کی وجہ سے بھی احکام میں تغیر واقع

(۱) دیکھئے: الاشباہ والنظائر: ۲۹۴/۱، مع الحموی ، القاعدة الخامسه۔

ہوتا ہے؛ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دارالاسلام اور دارالکفر کے درمیان متعدد احکام میں فقہاء نے فرق کیا ہے؛ چنانچہ استاذ گرامی مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :

> اگر گذارہ کی کوئی صورت نہ ہو تو محتاج کے لئے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔(۱)

ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :

> پس اگر جان کا قوی خطرہ ہے یا عزت کا قوی خطرہ ہے، نیز اور کوئی صورت اس سے بچنے کی نہیں، مثلاً: جائیداد فروخت ہوسکتی ہے نہ روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے، تو ایسی حالت میں زید شرعاً معذور ہے اور اگر ایسی ضرورت نہیں؛ بلکہ کسی اور دنیوی کاروبار کے لئے ضرورت ہے، یا روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے، یا جائیداد فروخت ہوسکتی ہے، تو پھر سود پر قرض لینا جائز نہیں، کبیرہ گناہ ہے۔(۲)

دارالعلوم دیوبند کے ایک اور سابق صدر مفتی حضرت الاستاذ مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ مکان کے لئے سودی قرض حاصل کرنے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :

> اگر حالات تحریر کئے ہوئے صحیح ہیں، تو واقعی یہ حاجت صحیح اور احتیاج صحیح ہے اور ایسی حالت میں اگر بغیر سود کے قرضہ نہ ملے، تو شریعت مطہرہ نے بوجہ ضرورت اور حسب ضرورت بینک سے سودی قرض بھی لے لینے کی اجازت دی ہے۔(۳)

بعض اوقات رقم موجود ہوتی ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص بڑا سرمایہ لگا کر کاروبار کرتا ہے، تو حکومت کے قوانین کی وجہ سے پکڑ کا اندیشہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں مسلمان کیا کرے؟ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں :

> مثلاً اپنے جائز روپے سے بھی بڑا کاروبار کرنے میں قانونِ حکومت کی وجہ سے قانونی گرفت ہوکر اپنا جائز روپیہ کالا روپیہ شمار ہوکر قابل ضبطی وغیرہ ہو رہا ہو، تو قانونی رو سے اور اپنے حلال روپے کو بچانے کے بقدر مجبوری میں بقدر ضرورت حکومت وقت سے قرض لے لینے کی گنجائش ہوجاتی ہے۔(۴)

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۱۶/۳۰۱-۳۰۲۔

(۲) فتاویٰ محمودیہ: ۱۶/۳۰۶، باب الربا۔

(۳) منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۸۷۔

(۴) منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۸۹۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے اس سلسلے میں ہندوستان کے دوسرے اربابِ افتاء کے مقابلہ زیادہ محتاط نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، پھر بھی فرماتے ہیں :

.....فقہاء نے اضطرار اور حد درجہ کی احتیاج اور شدید مجبوری کی صورت میں جب کہ قرض وغیرہ ملنے کی بھی اُمید نہ ہو، بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، ضرورت سے زیادہ لینا درست نہیں۔(۱)

ماضی قریب میں ہندوستان کے ممتاز فقیہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ فرماتے ہیں :

بعض حالت میں جب کہ انسان کی کوئی واقعی ضرورت (جسے شریعت بھی ضرورت تسلیم کرے) بغیر سود پر روپیہ حاصل کئے نہ پوری ہوسکتی ہو، تو ایسی صورت میں اپنے اس فعل کی شناعت اور برائی محسوس کرتے ہوئے اور دل سے توبہ واستغفار کرتے ہوئے سود پر رقم لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔(۲)

ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :

.....البتہ بعض حالات ایسے پیش آتے ہیں، جن میں انسان سودی قرض لینے پر مجبور ہوجاتا ہے اور سودی قرض لئے بغیر بنیادی خورد ونوش اور رہائش کی تکمیل نہیں ہو پاتی اور نہ ہی اسے غیر سودی قرض ملتا ہے، جس سے وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کر سکے، ایسے ضرورت مندوں اور محتاجوں کے لئے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہوگی۔(۳)

ایک اور موقع پر بینک کے توسط سے لاری خریدنے کے تعلق سے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :

اگر آپ بینک کے توسط کے بغیر لاری نہیں خرید سکتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسرا کاروبار بھی آپ کا نہیں ہے، تو یہ ایک مجبوری ہے اور مجبوری کی حالت میں محتاج کے لئے فقہاء نے اس طرح کے قرض لینے کی اجازت دی ہے؛ اس لئے بینک کے توسط سے مذکورہ کاروبار کی گنجائش ہوگی۔(۴)

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ:۹/۲۷۰۔

(۲) فتاویٰ قاضی:۲۲۶،کتاب الحظر والاباحة ۔

(۳) فتاویٰ قاضی:۲۳۰۔

(۴) فتاویٰ قاضی:۲۳۱۔

خلاصہ یہ ہے کہ عام حالات میں سودی قرض حاصل کرنا ناجائز ہے؛ لیکن اگر کوئی ایسا کام درپیش ہو، جو اصطلاحی اعتبار سے حاجت کے دائرہ میں آتا ہو، یعنی اگر مطلوبہ چیز حاصل نہ ہو، تو وہ لوگوں کے لئے شدید مشقت کا باعث ہوجائے اور اس کے حصول کے لئے سودی قرض کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہے؛ البتہ ضروری ہے کہ یہ عمل بھی کراہت خاطر سے ہو؛ تاکہ گناہ کی شناعت ذہن میں باقی رہے اور اس کے ساتھ استغفار کا بھی اہتمام کیا جائے —— لہٰذا ان وضاحتوں کی روشنی میں آپ کے سوالات کے جواب حسبِ ذیل ہیں :

۱- جن لوگوں کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ بقدرِ ضرورت وسعت کا مکان خرید کرسکیں یا کچھ ایسی چیزیں موجود ہوں ، جن کو فروخت کرکے اتنی قیمت حاصل کی جاسکتی ہو، ان کے لئے سودی قرض لینا جائز نہیں۔

۲- جن لوگوں کو افراد یا اداروں سے غیر سودی قرض مل سکتے ہوں، ان کے لئے بھی اس مقصد کے تحت سودی قرض لینا جائز نہیں۔

۳- اگر اسلامی بینک مکان مرابحۃً اقساط پر فروخت کرتے ہوں یا شرکت متناقصہ کے اُصول پر فروخت کرتے ہوں اور یہ سہولت خریدار کو حاصل ہو، اگرچہ عام بینکوں کے مقابلہ میں گاہک کو زیادہ پیسے دینے پڑیں ، پھر بھی سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ؛ کیوں کہ حلال چیز کا زیادہ پیسوں میں حاصل ہونا بھی ارزاں قیمت میں حرام کے حاصل ہونے سے بہرحال بہتر ہے۔

۴- اگر ذاتی مکان میسر نہ ہو، اتنی رقم موجود نہ ہو کہ مکان خرید سکے، نہ کوئی اور ایسی شئے موجود ہو، جس کو بیچ کر اتنی رقم حاصل کی جاسکتی ہو، تو اپنی رہائش کے لئے جتنی مکانیت کا مکان ضروری ہو، اتنے کو خرید کرنے کے لئے سودی قرض حاصل کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن ضروری ہے کہ دل سے اسے برا سمجھے، اپنے اس عمل پر استغفار کرے اور جلد سے جلد اس قرض کو ادا کردینے کی کوشش کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان آپس میں مل کر ایسی سوسائٹیاں قائم کرسکتے ہیں اور ایسے اسلامک بینک کو ترقی دے سکتے ہیں، جو مکان کی خریدی کو آسان اور سستا بنائے ؛ کیوں کہ ہاؤس فائنانسنگ کے بنیادی طور پر دو طریقے ہیں : ایک یہ کہ فائنانس کمپنی ایک مکان خرید کر نفع کے ساتھ خریدئ مکان کے خواہش مند شخص کو فروخت کردے، ایسی صورت میں اگر اس نے اپنے طور پر گاہک سے قیمت طے کی، تو یہ بیع مساومہ مؤجل ہوگی اور اگر پہلی قیمت ذکر

کر کے اپنا نفع واضح کر دے، تو بیع مرابحہ مؤجل ہوگی اور یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، دوسری صورت وہ ہے، جس کو اس دور کے علماء فقہ نے شرکت متناقصہ کا نام دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کمپنی گاہک کے اشتراک کے ساتھ مکان خرید کر لے، اپنا حصہ گاہک کو کرایہ پر دے اور اس کو مختلف یونٹوں میں تقسیم کر کے فی یونٹ قیمت مشخص کر دے اور باہمی معاہدہ کے تحت جیسے جیسے گاہک ان یونٹوں کو خرید کرتا جائے، اس کا شیئر بڑھتا جائے اور کمپنی کا کم ہوتا جائے اور ظاہر ہے کہ کمپنی کا شیئر جتنا کم ہوتا جائے گا، اس کا حق کرایہ بھی اتنا ہی کم ہوتا جائے گا؛ یہاں تک کہ بالآخر گاہک پورے یونٹس خرید کر لے گا اور پورے مکان کا حق کرایہ بھی اتنا ہی کم ہوتا جائے گا، اس پر بعض فقہی اشکالات پائے جاتے ہیں؛ لیکن ہمارے عہد کے اسلامی معاشیات کے ماہرین تقریباً اس کے جواز پر متفق ہو چکے ہیں۔

یہ دونوں قابل عمل صورتیں ہیں، جس کو نہ صرف اسلامی بینک انجام دے سکتا ہے؛ بلکہ چند مسلمان سرمایہ کار مل کر اس مقصد کے لئے کمپنی کی تشکیل کر سکتے ہیں اور یہ دونوں صورتیں پوری طرح قابل عمل بھی ہیں۔

کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ یہ مالیاتی ادارے اپنے نفع کے تناسب کو کم کرنے پر راضی ہو جائیں، کم نفع لے کر زیادہ تجارت کے اُصول پر عمل کریں، اس طرح مسلمان سودی قرض کی لعنت سے نجات پا سکتے ہیں اور انھیں اس لعنت سے بچانے میں انشاء اللہ ان سرمایہ کاروں کو اجر وثواب بھی حاصل ہوگا۔

وباللہ التوفیق وھو المستعان .

○ ○ ○